قصص القرآن کی روشنی میں سیرتِ طیبہ کی عصری معنویت

محمد سلیمان اسدی*

Allah narrates the accounts of those prophets who had to face the peculiar circumstances of their times and whose Umma adopted different attitudes to them. Surely these accounts in the Quran are not given as historical events but for the guiding principles for the Prophet PBUH. That is why the Prophet of Allah PBUH performed the role and duties of Prophethood keeping in view these instructions. Here this discussion is very important how much the events of the previous prophets affected the life of the Prophet PBUH, what example the Prophet PBUH left for the guidance of his Ummah and in addition to that which aspects of this part of the Prophet's PBUH life can be invoked for guidance in the contemporary times to form a best and exemplary society. Therefore the study of the Prophet's PBUH life from this perspective and discovery of its contemporary significance is very important. Considering these aspects, this article seeks to highlight the contemporary significance of the Prophet's PBUH life and provides guiding principles from the Prophet's PBUH life for Ummah.

قرآنِی تعلیمات شعور دلاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ازلی سنت رہی ہے کہ اپنی برگزیدہ اور فرستادہ شخصیات کی زندگیوں کو ان کی امتوں کے لیے قابل عمل نمونہ ٹھہرایا اور ان کی امتوں پر ان کی رہنمائی کو ضروری قرار دیا اور ان کی اتباع کو سراپا ہدایت بیان کیا۔(1) اور اسی حقیقت کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے جناب نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی آخری کتاب قرآن مجید میں بے شمار انبیائے کرام کا ذکر کیا اور ان کے ساتھ پیش آنے والے حالات وواقعات کا بھی تذکرہ کیا۔ یہاں یہ توجہ طلب پہلو ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سابقہ انبیاء ورسل کے حالات وواقعات کو قرآن مجید میں بیان کرنے کی جناب نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی کے لیے اور آپ علیہ السلام کی امت کے لیے کونسا فائدہ اور حکمت مضمر ہے ؟۔

قرآن مجید کی تعبیرات سے نمایاں ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کلام الٰہی میں ان تمام قصص کو محض واقعات اور تاریخی قصص کے طور پر بیان نہیں کیا بلکہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام اور آپ کی امت کے لیے اللہ تعالیٰ کا اپنے پیغمبروں اور ان کی اقوام وافراد کے ساتھ اپنی سنن کا تاریخی شعور یاد دلایا اور اس شعور کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کلام مقدس میں مختلف پیرائے میں بیان بھی کیا مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُوْلِيْ الأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيْثاً يُفْتَرَى وَلَكِن تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ۔(2)

*لیکچرار، شعبہ علومِ اسلامیہ، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ اسلامیہ کالج، گوجرانوالہ۔

"تحقیق اہلِ فہم کے لیے ان اقوام کے قصص میں بڑی عبرت ہے۔ قرآن کوئی گھڑی ہوئی بات تو ہے نہیں، یہ تو تصدیق کرنے والا ہے اس کی جو اس سے قبل نازل ہو چکا ہے اور تفصیل کرنے والا ہے ہر چیز کا اور ایمان والوں کے حق میں ہدایت اور رحمت ہے"۔

اس حکمت کی مزید وضاحت اللہ تعالیٰ نے سورہ ہود کے ان الفاظ میں بیان کی ہے:

" وَكُلاًّ نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاء الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ وَجَاءكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ "۔(3)

"اور پیغمبروں کے یہ سب قصے آپ سے بیان کرتے ہیں جس سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں۔ اور ان قصوں کے اندر آپ تک حق پہنچا ہے اور اس میں نصیحت اور یاد دہانی ہے ایمان والوں کے لیے"۔

مذکورہ آیات سے واضح ہوتا ہے قرآن مجید سابقہ انبیائے کرام اور ان کی اقوام کے قصص محض تاریخی واقعات کو بیان نہیں کرتا بلکہ حقیقت میں جناب نبی کریم ﷺ کے لیے رہنمائی اور ہدایت کا سامان میسر کرتا ہے۔

یہاں یہ بحث نہایت اہم ہے کہ قرآن مجید میں بیان کردہ سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کے قصص کا جناب نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ پر کس قدر اثر پڑا اور پھر اس بارے میں آپ ﷺ نے اپنی امت کے لیے کیا رہنمائی چھوڑی اور مزید یہ کہ عصر حاضر میں سیرت طیبہ کے اس گوشے سے کن کن پہلوؤں سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے اور ایک بہترین اور مثالی معاشرہ کی تشکیل وجود میں لائی جاسکتی ہے۔

یقیناً آج کے اس گلوبلائزیشن کے دور میں امت مسلمہ کو بہت سی درپیش چیلنجز اور فکری و عملی تحدیات کا سامنا ہے، اس کا حل کیسے تلاش کیا جاسکتا ہے؟۔ چنانچہ جب قرآن مجید پر غور و فکر کیا جاتا ہے تو ہمیں دیگر اصولوں کے ساتھ سابقہ انبیاء و رسل کے قصص کے ضمن میں بہت سے رہنما اصول ملتے ہیں اور پھر ان رہنما اصولوں کا جناب نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ میں عملی طور پر انطباق ہوتا نظر آتا ہے۔

چنانچہ سیرت طیبہ کا اس اعتبار سے مطالعہ کرنا اور عصری معنویت کو دریافت کرنا بہت اہم ہے۔ اس نکتہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے " قصص القرآن کی روشنی میں سیرت طیبہ کی عصری معنویت" کے ضمن میں سیرت طیبہ کے اہم پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

یقیناً قرآن مجید میں ان قصص کا بیان ہونا، کوئی تاریخی واقعہ کے طور پر بیان کرنا نہیں بلکہ اس میں جناب نبی کریم ﷺ کے لیے ہدایات ہیں۔ اس امر حقیقت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صرف انہیں انبیاء ورسل کے قصص کو بیان کیا ہے جن کو اپنے زمانہ کے حالات سے دور چار ہونا پڑا اور ان کے ساتھ ان کی اقوام وملل نے مختلف رویے اپنائے اور اللہ تعالیٰ نے ان مقدس ہستیوں کی ان حالات میں جو رہنمائی فرمائی ہے ذیل کی سطور میں چند اہم گوشوں کو موضوعاتی ترتیب میں زیر بحث لایا جاتا ہے۔

1۔ علم وآگہی کا شعور

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جناب آدم علیہ السلام کی تخلیق اور کائنات میں وجود پذیر ہونے کا تذکرہ کیا تو اس بیانِ حقیقت میں علم وآگہی کی خصوصیت کو اول شمار کیا اور دیگر مخلوقات پر برتری کا سبب بیان کیا۔(4) اور پھر اسی طرح جب آپ علیہ الصلوۃ والسلام پر پہلی وحی نازل فرمائی تو پھر وہاں بھی اللہ تعالیٰ نے وحی کا آغاز ہی علم وآگہی کے شعور سے کرایا۔(5)

ان دونوں واقعات کے وجود میں آنے سے جناب نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر یہ خاکہ واضح ہوا کہ انسانِ اول کے واقعہ تخلیق میں تعلیم وتعلم کا بیان ہے اور پھر نبی خاتم ﷺ پر بھی وحی کا آغاز تعلیم وتعلم سے ہوتا ہے تو گویا کہ علم وآگہی ہی نوع انسانیت کے لیے شرافت اور عمدگی کا سبب ہے اور پھر آپ ﷺ پر یہ حقیقت بھی آشکارا کی گئی کہ یقیناً علم وآگہی ہی ایسا ہنر ہے جو انسان کو دیگر مخلوقات پر اشرف بناتا ہے اور اس علم وآگہی کے فن سے انسان میں وہ تمام ذمہ داریوں کا احساس اجاگر کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان میں ازل سے اس حقیقت کو ودیعت کر رکھا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے جس معاشرہ میں آنکھ کھولی، وہ عرب کا ایسا معاشرہ تھا، جو علم وآگہی سے کوسوں دور تھا مگر آپ ﷺ بخوبی جانتے تھے کہ علم وآگہی سے روشناس کیے بغیر ان میں صحیح فہم اور صحیح بصیرت کا ادراک پیدا کرنا اور اس بگڑے ہوئے معاشرے کو صحیح قدروں پر لانا مشکل اور ناممکن ہے۔ چنانچہ جناب نبی کریم ﷺ نے انہیں اول کاوش میں علم وآگہی کے زیور سے آراستہ کیا، ان میں جہالت کی قدروں کو دفن کیا اور ان کے لیے صحیح بصیرت کی راہ متعین کی۔ انسانیت کی پہچان اور اس کے حقوق کی ذمہ داری

کا احساس دلایا اور اپنے حقیقی معبود کے اوامر ونواہی پر کاربند کیا۔ اس کی بہترین مثالیں صحابہ کرام کے لیے علم وآگہی کی تلقین کرنا اور پھر غزوہ بدر کے موقع پر جن قیدیوں کے پاس جرمانہ ادا کرنے کی صلاحیت نہیں تھی اور تاہم وہ لکھنے پڑھنے سے بہرہ ور تھے، انہیں حکم ہوا کہ اہل اسلام کے دس دس بچوں کو تعلیم دے دیں تو چھوڑ دیے جائیں گے۔(6) حضرت زید بن ثابت نے بھی اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔(7)

جناب نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جناب آدم علیہ السلام کے قصہ سے یہ بھی ہدایت حاصل کی کہ علم آدمیت کی میراث ہے، اس کا تعلق کسی خاص مذہب سے نہیں ہے۔ اسی فہم کی بنیاد پر جناب نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے افراد کی تعلیم کا انتظام وانصرام غیر مسلم قیدیوں سے کرایا اور اپنے اصحاب کو اپنے مذہب کے ماسوا افراد سے سیکھنے کا حکم دیا۔

گویا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنی امت کے لیے سبق چھوڑا کہ علم وآگہی کے ارتقا اور شعور سے ہی معاشرہ کی صحیح بنیادیں رکھی جاسکتی ہیں اور معاشرہ اس وقت تک مضبوط اور مستحکم نہیں ہو سکتا اور صحیح فہم اور صحیح بصیرت کا ادراک حاصل نہیں ہو سکتی، جب تک کہ علم وآگہی کی میراث میں منازل طے نہ کی جائیں اور یہ علم کسی مذہب کی میراث نہیں بلکہ آدمیت کی میراث اور اس کی امتیازی پہچان ہے۔

جناب آدم علیہ السلام کے قرآنی واقعہ سے جناب نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو یہ بھی ہدایت کی گئی کہ علم وآگہی کی بنیاد پر فخر اور اترانا نہیں، تسلیم ورضا اور اطاعت کی خوبی پیدا کرنا ہے اور درحقیقت علم ادب سکھاتا ہے۔ ابلیس کے پاس بھی علم وعمل دونوں تھے تاہم تسلیم ورضا کی صفت سے خالی تھا اور ہمیشہ کے لیے وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے محروم ہو گیا۔

امت مسلمہ کے لیے پہلے بھی اور آج بھی یہی اول ہدایت ہے کہ نسلِ انسانی اور انسانی دماغ کا شعور علم وآگہی سے وابستہ ہے اور اسی سے معاشرہ پروان چڑھتا ہے اور مقصدیت حاصل ہوتی ہے۔

2۔ انسانی مساوات

نصِ قرآنی میں بیان جناب آدم علیہم السلام کے قصہ تخلیق کے باب میں ایک اہم پہلو تمام انسانوں کا برابر ہونا ہے۔ کسی بھی انسان کو محض نسلی اور علاقائی بنیادوں پر کسی دوسرے انسان پر برتری نہیں دی جا سکتی۔ خود جناب نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پیدائش ملکِ عرب میں، عرب کے شہر ام القریٰ(مکہ) میں اور پھر

وہاں کے ایک معزز خاندان میں ہوئی، اس واقعہ تخلیق سے آپ ﷺ کے لیے اول ہدایت تھی کہ کہیں دوسروں پر برتری کا احساس پیدا ہونے نہ پائے بلکہ نوع انسانیت ایک ہی پلہ کی ہے اور سب حضرت آدم کی اولاد سے ہیں اور انہی سے انسانیت کا آغاز ہوا ہے۔(8)

چنانچہ جناب نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ میں اس کی عملی تکمیل کی بہت سی معاشرتی، معاشی اور قانونی مساوات کی قابل تقلید مثالیں موجود ہیں۔

معاشرتی مساوات کی بہترین عملی مثال جناب نبی کریم ﷺ کا اپنے آزاد کردہ غلام صحابی جناب زید بن حارثہ سے اپنی پھوپھی زاد بہن سیدہ زینب کا عقدِ نکاح کرنا ہے۔ یقیناً عرب کے معاشرہ میں ایک اعلیٰ خاندان کی بیٹی کی نسبت دنیوی قدر و منزلت میں پست خیال کیے جانے والے معاشرہ کے ایک فرد سے طے کرنا غیر معمولی اقدام سے کم نہ تھا۔ عرب معاشرہ میں اس عمل کو غلط تصور کرنا اور برا منانے کی تصویر کشی اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام الٰہی میں بیان کی ہے۔(9) تاہم جناب نبی کریم ﷺ نے انسانیت پر واضح کر دیا کہ دنیوی قدر و منزلت کا انسانی مساوات کے فلسفہ اور انسانی اقدار کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ بلند مرتبت اور عمدگی کا خیال انسان کا خود تراشیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام انسان جناب آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور انسانیت کے ناطے کوئی فرق نہیں ہے اور اس کی مزید وضاحت جناب نبی کریم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر اہل اسلام کے عالمگیر اجتماع میں بیان کر دی۔

جناب جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> یا ایہاالناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد ، الا لافضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر
>
> الابالتقوی۔(10)
>
> اے لوگو! بے شک تمہارا رب بھی ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک۔ آگاہ رہو، کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سفید فام کو کسی سیاہ فام پر اور کسی سیاہ فام کو کسی سفید فام پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔

معاشی مساوات: روئے زمین پر بسنے والے تمام انسان چونکہ جناب آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں لہذا ہر ایک کو جینے اور ضروریاتِ زندگی پورا کرنے کا برابر حق حاصل ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ کی زندگی میں اس معاشی حق مساوات کی بہت سی نظائر موجود ہیں اور ان میں سیرت طیبہ سے ایک عمدہ مثال نبی

کریم ﷺ کی ہجرت مدینہ کے موقع پر مہاجرین وانصار کے مابین رشتہ اخوۃ قائم کرنے کی ہے۔یقیناً ایک ایسا موقع تھا جب مال دار افراد اپنے مال ومتاع سے قدرت کھو چکے تھے تو اس دوران آپ ﷺ نے انصارِ مدینہ پر مہاجرینِ مکہ کے معاشی حق کو تحفظ دیا اور انہیں زندگی گزارنے کا بہترین موقع میسر کیا۔(11)

قانونی مساوات : جناب آدم علیہ السلام کے قصہ تخلیق میں جہاں دیگر مساوات کے پہلو موجود ہیں وہاں نفاذِ قانون میں برابری اور یکسانیت بھی موجود ہے۔اس برابری کے حقِ مساوات کی صحیح تصویر خود پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت طیبہ میں عملی شکل میں موجود ہے کہ جب قبیلہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی اور اس کا فیصلہ جناب نبی کریم ﷺ کی عدالت میں پیش کیا گیا اور فیصلہ سے قبل قبیلہ بنی مخزوم نے اپنے قبیلہ کی ناموس اور عورت کی عزت وجان کے تحفظ کے لیے جناب اسامہ بن زید سے سفارش کرانا چاہی،جناب نبی کریم ﷺ کو اس معاملے کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا:

> انما هلک من کان قبلکم انهم کانوا یقیمون الحد علی الوضیع ویترکون علی الشریف ، والذی نفسی بیده ، لو فاطمة فعلت ذلک ، لقطعت یدها۔(12)

> " لوگو! تم سے پہلی قومیں اس لیے ہلاک ہوئیں کہ وہ کمزور سے جرم ہونے پر حد نافذ کر دیتے تھے اور طاقتور سے جرم ہونے پر حد کو ترک کر دیتے تھے۔لیکن بخدا! اگر فاطمہ بھی ایسا کرتی تو اس کے ہاتھ بھی میں کاٹ دیتا"۔

جناب نبی کریم ﷺ نے انسانی قدروں کی پہچان اور اس کی بقا کی اہمیت کے پیش نظر جناب آدم علیہ السلام کے نظریہ مساوات کے مختلف پہلوؤں کو عملی جامہ پہنایا اور آپ ﷺ نے نوعِ انسانیت کو ایک مشترک رہنمائی کا پیغام دیا کہ جناب آدم علیہ السلام کا نظریہ مساوات میں ہی انسانیت کی عزت واکرام پنہاں ہے۔

آج دنیا نسلی و قومی تفاخر کے سبب عدمِ توازن اور ذہنی وفکری انتشار میں قید ہے اور انسان ایک دوسرے سے الگ الگ راہیں لیے ہوئے ہے اور اپنے ماسوا کو کائنات میں جینے کا حق دینے پر راضی نہیں ہے۔ لہذا جب اسے یقین ہو جائے کہ وہ جناب آدم علیہ السلام کی نسل سے ہے تو پھر سب نسلی و قومی تفاخر ختم

ہو جائے گا، جہالت کی قدریں مٹ جائیں گی، انسان ایک دوسرے سے محبت کرنے والا اور ایک دوسرے کے حقوق کو ادا کرنے والا بن جائے گا۔

3۔ قوتِ اقتدار پر تمکین کی صورت میں اپنوں اور دشمنوں سے سلوک

اللہ تعالی نے اپنے فرستادہ پیغمبروں میں سے قوتِ اقتدار پر تمکین کی مثال میں جناب یوسف کے قصہ کو اپنی کلام الہی میں یکجا تفصیل سے بیان کیا ہے اور بلکہ اس قصہ یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے " احسن القصص " کا مصداق قرار دیا ہے۔ جناب یوسف علیہ السلام کے قصہ میں جہاں دیگر نصائح اور ہدایات موجود ہیں وہاں اپنوں اور مخالفین کے ساتھ قوتِ اقتدار پر تمکین کی صورت اعلیٰ سلوک اور رویہ کا عملی کردار بھی موجود ہے۔ چنانچہ جناب یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائیوں کی طرف سے کنواں میں ڈال دیا جانا اور مختلف اعتبار سے انہیں اذیت دینا، قرآن مجید کے مختلف پیراوں میں بیان ہوا۔(13)

تاہم جب برادرانِ یوسف زمانہ قحط میں جناب یوسف علیہ السلام کے دربار میں اناج اور گلہ کی خاطر پیش ہوتے ہیں اور انہیں اس دوران جناب یوسف علیہ السلام پہچان لیتے ہیں تو کسی بھی قسم کی کوئی سزا تجویز نہیں کرتے بلکہ ان سے اعلی قسم کا سلوک کرتے ہیں اور یہاں تک کہ سب کے سامنے ان سب کے لیے معافی کے الفاظ " لاَ تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ(14)" کہ آج تم پر کوئی الزام نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب سے زیادہ مہربانوں میں مہربان ہے " علی الاعلان کہہ دیتے ہیں۔

اس قرآنی واقعہ میں جناب یوسف علیہ السلام کا معاملات میں انصاف اور زیادتیوں کی صورت میں انتقام پر قدرت کے باوجود معافی کو ترجیح دینا صاحبِ اقتدار افراد کے لیے بہت ہی اہمیت کا پہلو رکھتا ہے۔ اس ہدایتِ خداوندی کی آزمائش پر پورا اترنے کی بہت سی مثالیں جناب نبی کریم ﷺ کے حیات طیبہ میں موجود ہیں مثلاً

رمضان المبارک سن 08 ہجری میں جب آپ ﷺ نے فتحِ مکہ کیا تو آپ ﷺ کے ہمراہ کم و بیش دس ہزار افراد کا لشکر موجود تھا۔ آپ ﷺ پوری قوت و طاقت سے مکہ کی سرزمین میں داخل ہوتے ہیں اور

کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں اور بعد ازاں جب صحنِ کعبہ میں اہل مکہ کو جمع کیا جاتا ہے اور ان سے پوچھا جاتا ہے کہ:

تمہارا کیا خیال ہے میں تم سے کیسا برتاو کرنے والا ہوں؟۔انہوں نے بیم ورجاء میں ڈوبے ہوئے لہجہ میں عرض کی۔" نَظُنُّ خَيراً "،ہم جناب سے خیر کی امید رکھتے ہیں اور آپ تو " اخ کریم وابن اخ کریم و قد قدرت"۔ "آپ کریم النفس بھائی ہیں اور ہمارے کریم و شفیق بھائی کے فرزند ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آج آپ کو قدرت واختیار بھی سونپا ہے"۔

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> فانی اقول لکم کما قال اخی یوسف لاخوتہ: لاَ تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۔ اِذھبوا فلتم الطلقاء۔(15)
>
> " جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں آج تمہیں وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے بارے میں کہی تھی کہ آج میرے طرف سے تم پر کوئی سرزنش نہیں۔چلے جاو تم سب میری طرف سے آزاد ہو"۔

جناب یوسف علیہ السلام کی سیرت کے ایک اہم پہلو کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو دشمنوں سے حسنِ سلوک کی ہدایت کرنا تھی اور یقیناً اس رہنمائی کی تعمیل میں جناب نبی کریم ﷺ کا فتح مکہ کے موقع پر طاقت و قوت اقتدار کے باوجود اپنے دشمنوں کو معاف کا اعلان کرنا ہے بلکہ جناب یوسف علیہ السلام کے کلماتِ عفو کو اپنی زبان مبارک میں بیان کرنا ہے۔

فتح مکہ کے موقع پر دشمنوں کو معافی دینے کی روش در حقیقت جناب نبی کریم ﷺ پر یقین رکھنے والوں کے لیے حجت اور عملی نصیحت ہے کہ قوتِ اقتدار پر براجمان ہونے کے بعد اپنے مخالفین و معاندین کے ساتھ انتقام لینے کی بجائے معاف کر دینا سنت یوسفی اور اسوہ محمدی ﷺ ہے۔ مجرم سے صاحبِ قدرت کا اپنے حق سے دستبردار ہونا اقوام وافراد کے مابین محبت و بھائی چارہ کے فروغ کا اہم ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے کلام الٰہی میں عفو اور درگزر کی حکمتِ عملی اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔(16)

لہذا جب عامۃ الناس میں محبت و یگانگت فروغ پائے گی تو معاشرہ کی ایک مثالی تشکیل رواج پائے گی اور لوگوں کے مابین زمانہ سے چلی آنے والی رقابتیں اور دوریاں ختم ہو جائیں گی اور جس مقصد کے لیے انسانیت کا وجود زمین پر قائم ہوا تھا وہ دوبارہ لوٹ آئے گا۔یقیناً آج معاشرہ کے بگاڑ اور اس میں امن

وآشتی کے فقدان کی اہم وجہ لوگوں میں قوتِ برداشت کا مٹ جانا ہے اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو جانا ہے۔ لوگ آپس کے تنازعات کو ختم کرنے کی بجائے سالہا سال کی پرانی روشوں میں قید و بند نظر آتے ہیں حالانکہ معافی سب سے بڑا انتقام ہے اور معاشرہ کو اپنی صحیح بنیادوں پر استوار کرنے کا سب سے مستحسن اقدام ہے۔

جناب یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے اللہ تعالیٰ نے جناب نبی کریم ﷺ کو یہ بھی ہدایت جاری کی کہ ہر ایسا مظلوم جب وہ طاقت میں آئے اور مخالفین اس کے کمالات وصفات سے حسد کرنے لگیں تو پھر اسے تحمل کا ملکہ اور عفو کی درجہ کمالِ صفت اختیار کرنی چاہیے اور اس پر اپنے پروردگار کا شکر بجالانا چاہیے جیسا کہ جناب یوسف علیہ السلام کا اپنے بھائیوں سے معاملہ میں تھا۔

چنانچہ جب آپ ﷺ فتح مکہ کے موقع پر جب پوری طاقت اقتدار میں آئے اور مخالفین آپ ﷺ کے سامنے سرنگوں ہو چکے تھے تو آپ ﷺ نے اس ہدایت کے پیش نظر نہ صرف انہیں معاف کیا بلکہ اپنے رب کے سامنے سجدہ شکر بھی بجالایا۔

اس سے امت مسلمہ کو ہدایت نامہ جاری ہوا کہ مظلومیت کے بعد جب سیاسی غلبہ اور اقتدار حاصل ہو جائے تو مخالفین سے انتقامی کاروائی پر کاربند نہیں ہونا چاہیے بلکہ انہیں معاف کر دینا چاہیے اور اپنے رب کے سامنے سجدہ شکر بجالانا چاہیے۔ عموماً عصر حاضر میں حالات کی کایہ پلٹنے سے جب لوگ اقتدار میں آتے ہیں تو اپنے دشمنوں اور مخالفین سے زیادتی اور ذاتی انتقام کی روش اپنا لیتے ہیں حالانکہ خدائی تعلیمات اور جناب نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ سے اس بارے میں رہنمائی حاصل کی جانی چاہیے۔

4۔ معاشی احساسِ ذمہ داری

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے کہ ہمارے فرستادہ پیغمبر کو جہاں نبوت ورسالت کی امانت ودیعت کی گئی وہاں ان میں کسبِ معاش کی صلاحیت بھی نمایاں موجود تھی۔ اللہ تعالیٰ نے رہنمائی کی خاطر بعض پیغمبروں کے کسبِ معاش کے ذرائع بھی بیان کیے۔(17) اور پھر ان میں جناب داود علیہ السلام کے ذریعہ معاش کو پوری تفصیل سے بیان کیا ہے کہ حضرت داود علیہ السلام ایک طرف نبوت ورسالت اور دوسری طرف حکومت وسلطنت کے باوجود مستقل ذریعہ معاش 'صنعت زرہ سازی' کو اپنائے ہوئے تھے اور اس کی تجارت کرتے تھے۔ چنانچہ جناب داود علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّن بَأْسِكُمْ ۔(18)

"اور ہم نے انہیں (داود) کو زرہ کی صنعت تمہارے نفع کے لیے سکھلا دی تھی تاکہ وہ تمہیں لڑائی سے بچالے"۔

جب کہ سورہ سبا میں جناب داود علیہ السلام کے دیگر کاریگریوں کا بھی ذکر فرمایا:

وَأَلَنَّا لَہُ الْحَدِیْدَ ،أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِیْ السَّرْدِ وَاعْمَلُوا صَالِحاً ------یَعْمَلُونَ لَہُ مَا یَشَاءُ مِن مَّحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ وَجِفَانٍ کَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَّاسِیَاتٍ، اِعْمَلُوا آلَ دَاوُودَ شُکْراً۔ (19)

"جناب داود کے لیے ہم نے لوہا کو نرم کر دیا کہ تم پوری زرہیں بناو اور ان کے جوڑ میں مناسب اندازہ رکھو اور تم سب نیک کام کیا کرو۔۔۔۔ سلیمان کے لیے وہ ،وہ چیزیں بنادیتے جو انہیں منظور ہوتیں، مثلاً بڑی عمارتیں، مجسمے اور لگن جیسے حوض اور بڑی بڑی جمی ہوئی دیگیں۔ اے خاندانِ داود، تم شکریہ میں نیک کام کیا کرو"۔

اس قرآنی بیان نے جناب نبی کریم ﷺ کے لیے ہدایت جاری کر دی کہ ضروریاتِ زندگی کے لیے معاشی ذریعہ اختیار کیا جائے اور معاشی ذریعہ کا اختیار کرنا کوئی منصب نبوت و رسالت کے منافی نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی سابقہ پیغمبروں نے ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے ذرائع اختیار کیے رکھے اور ان میں کچھ کی مثالیں آپ ﷺ کی رہنمائی کے لیے پیش بھی کی گئی ہیں۔

اگرچہ نزولِ وحی سے پہلے بھی تجارت کیا کرتے تھے اور تجارتی امور کو بہتر جاننے کی وجہ سے سیدہ خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا عقد نکاح ہوا۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے سیدہ خدیجہ کے تمام تجارتی معاملات نبھانے کی ذمہ داری اٹھائی۔ چنانچہ جناب نبی کریم ﷺ نے اس ہدایت کی تکمیل کے لیے بعثت نبوی کے بعد بھی تجارتی لین دین کو جاری رکھا اور اپنی ضروریاتِ زندگی کو پورا کیا۔

جہاں آپ ﷺ نے عملی طور پر ذریعہ معاش اختیار کیا وہاں آپ ﷺ نے اپنی امت کو ہدایت جاری کر دی کہ

ما اکل احد طعاماً قط خیراً من ان یاکل من عمل یدہ وان نبی اللہ داود علیہ السلام کان یاکل من عمل یدہ۔(20)

"سب سے اچھی روزی وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ کی محنت سے حاصل کرے اور حضرت داود علیہ السلام (باوجود پیغمبر اور حاکم ہونے کے) اپنے ہاتھ سے روزی کما کر کھاتے تھے"۔

اور ساتھ ہی گداگری اور دستِ سوال دراز کرنے کو ناپسند کیا۔ جناب عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مازا ل الرجل يسئل الناس حتى ياتى يوم القيامة ليس فى وجهہ مزعة لحم۔(21)

"جو شخص لوگوں سے سوال کرنے کی عادت بنالے تو وہ روز قیامت کو اس حال میں اٹھے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کی بوٹی بھی نہ ہوگی۔

جناب نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کے مختلف گوشوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں کبھی بھی دستِ سوال دراز نہیں کیا اور نہ ہی آپ ﷺ کے صحابہ کرام نے اپنی زندگیوں میں اس طرح کا عمل کیا حالانکہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو بہت ہی کٹھن اور مشکل حالات سے واسطہ پڑا۔(22) یہی وجہ ہے کہ ہجرتِ مدینہ کے موقع پر انصار کے ساتھ لین دین میں شریک کرایا تاہم انہیں ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کے لیے سوال کرنے کی اجازت نہ دی۔

معاشرہ میں امن وسکون کے عدمِ توازن کی بڑی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ معاشرہ کے تندرست افراد ذریعہ معاش اختیار کرنے کے بجائے غلط ہتھ کنڈے استعمال کرتے ہیں اور لوگوں کا مال پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ اگر قرآنی ہدایات کے مطابق سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات گرامی کسب معاش کے ذرائع اختیار کرنے کی تلقین کرتی ہے اور مختلف قسم کے ناجائز ذرائع اور غلط ہتھ کنڈوں سے منع کرتی ہے۔

یہ بھی امرِ واقعہ ہے کہ اگر کسی شخص میں معاشی ذمہ داری کا فقدان موجود ہو تو اس کا پورے معاشرہ پر اثر پڑتا ہے اور ایسا شخص جب گداگری یا کوئی غلط حربہ استعمال کرے گا تو اس سے بگاڑ کے ساتھ معاشرہ میں غربت اور بے روزگاری بڑھے گی۔ ہوسکتا ہے کہ مزید لوگ گداگری میں تسہل کو دیکھ اس قبیح عمل کو شروع کر دیں، یا کچھ افراد کی طرف سے مال کے حصول کے لیے غلط حربہ کے استعمال سے دیگر لوگ

کاروبار کرنا ترک کر دیں جس سے معاشرہ کا کسی طرز پر بھی ارتقا نہیں ہو گا۔ لہذا قرآنی ہدایات کے مطابق سابقہ انبیائے کرام اور جناب خاتم المرسلین ﷺ کے اسوہ پر عمل کیا جائے اور ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے کسبِ معاش کے جائز ذرائع اختیار کرنا چاہئیں۔

5۔ عدل و انصاف

سابقہ انبیائے کرام کے قرآنی قصص کے بیان سے رہنمائی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان برگزیدہ شخصیات کو ہدایت کی تھی کہ جب کبھی انہیں کسی معاملہ میں فیصلہ کرنے کا اختیار ملے تو وہ حق پر مبنی فیصلہ کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جناب داود علیہ السلام کے دورِ حکومت کا واقعہ بیان کیا ہے کہ آپ علیہ السلام محراب میں مصروفِ عبادت تھے کہ جناب داود علیہ السلام کے پاس کئی افراد پر مشتمل دو گروہ داخل ہوئے اور آپ علیہ السلام کو ڈر محسوس ہوا تو انہوں نے کہا کہ ہم دو اہل مقدمہ ہیں، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہوئی ہے، لہذا ہمارے درمیان حق کا فیصلہ کیجئے اور ناانصافی نہ کیجئے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنا مقدمہ پیش کیا۔ اہل مقدمہ میں سے ایک نے کہا کہ یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ننانوے دنبیاں موجود ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے اور کہتا ہے کہ یہ اپنی ایک دنبی بھی مجھے دے دو۔ اس معاملہ کو سن کر جناب داود علیہ السلام نے کہا کہ اس نے واقعتاً تیری ایک دنبی کو اپنی دنبیوں کے ساتھ ملانے کا مطالبہ کر کے ظلم کیا ہے۔ حضرت داود علیہ السلام نے ان دو اہل مقدمہ کے مابین فیصلہ کر لیا تو گمان ہونے لگا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش کی ہے۔ اس پر اللہ کے حضور توبہ کی اور خوب گڑ گڑائے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ پیغمبر کو حکم نامہ جاری کیا کہ

> يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ۔(23)

> "اے داود! ہم نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا ہے۔ پس لوگوں کے مابین حق کے ساتھ فیصلہ کرتے رہیے اور آئندہ کبھی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کیجئے، پس وہ تمہیں اللہ کے راستے سے دور کر دے گی۔ بے شک وہ لوگ جو اللہ کے راستہ سے دور ہو گئے، ان کے لیے سخت عذاب ہے کیوں کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا"۔

جناب انبیائے کرام علیہم السلام کے قرآنی قصص میں جہاں عدل وانصاف پر فیصلہ کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور وہاں ان قرآنی قصص میں یہ بھی ہدایت جاری کی گئی ہے کہ فیصلہ کرنے کے لیے علم و دانش بھی مطلوب ہے اور نیز معاملہ فہمی کے لیے خارجی قرائن کا لحاظ رکھا جائے، فیصلہ محض سماعتِ فریقین پر نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں امور کا ذکر انبیائے کرام علیہم السلام کے دو مختلف واقعات میں کیا ہے۔ چنانچہ علم و دانش کی اہمیت کو جناب داود اور جناب سلیمان علیہما السلام کے فیصلہ میں نمایاں کیا ہے کہ

> وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِيْ الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِيْنَ ،فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلّاً آتَيْنَا حُكْماً وَعِلْماً۔ (24)
>
> "اور داود اور سلیمان (کو یاد کیجئے) جب وہ اس کھیتی کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے جس میں رات کے وقت دوسرے لوگوں کی بکریاں پھیل گئی تھیں، اور ہم ان کی عدالت کو خود دیکھ رہے تھے۔ اس وقت ہم نے صحیح فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا حالانکہ حکم اور علم ہم نے دونوں ہی کو عطا کیا تھا"۔

اور جب کہ خارجی قرائن کا اندازہ لگانا اور اس میں غور وخوض کرنے کے بارے میں جناب یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے رہنمائی کی گئی کہ

> قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَن نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَا هِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا ، إِن كَانَ قَمِيْصُهُ قُدَّ مِن قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الكَاذِبِيْنَ ، وَإِنْ كَانَ قَمِيْصُهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَ هُوَ مِن الصَّادِقِيْنَ ، فَلَمَّا رَأَى قَمِيْصَهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِن كَيْدِكُنَّ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ۔ (25)
>
> "یوسف علیہ السلام نے کہا کہ اسی نے مجھے اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا۔ اسی کے قبیلہ میں سے ایک فیصلہ کرنے والے نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر اس کا کرتہ آگے سے پھٹا ہو تو یہ سچی اور یوسف جھوٹا۔ اگر کرتہ پیچھے سے پھٹا ہو تو یہ جھوٹی اور وہ سچا۔ جب اس کا کرتہ دیکھا تو پیچھے سے پھٹا تھا، تب اس نے کہا کہ یہ تم عورتوں کی چالاکیاں ہیں اور کچھ شک نہیں کہ بڑے غضب کی ہوتی ہیں تمہاری چالیں"۔

سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کے ان قرآنی قصوں میں ایک اہم نکتہ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ کیا ہے کہ جو لوگ طاقت ور ہوتے ہیں، وہ دوسروں کے حقوق غصب کرنے پر تلے ہوتے ہیں اور انہیں

اپنے مد مقابل کی معمولی چیز بھی برداشت نہیں ہو پاتی جیسا کہ حضرت داود علیہ السلام کے زمانہ میں ننانوے دنبیوں کی ملکیت رکھنے والا، دوسرے شخص کی ایک دنبی پر مالکانہ حق رکھنے کا روا نہیں، بلکہ اس سے چھین لینا چاہتا ہے۔ تاہم حضرت داود علیہ السلام نے انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا۔

اسی طرح آپ ﷺ بھی حَکَم کی صورت میں تمام پہلوؤں کو بروئے کار لاتے ہوئے لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کو قائم رکھئے اور راہِ ہدایت سے دور نہ ہونے پایئے اور اس بارے میں کسی طاقت ور کے خوف کی آزمائش میں مبتلا نہ ہونے پایئے۔ چنانچہ اس امر خداوندی کی پیروی کرتے ہوئے جناب نبی کریم ﷺ نے عدل وانصاف کے تقاضوں کو قائم رکھا اور اس کی عملی مثالیں پیش کیں مثلاً

"اسلام سے پہلے یہودیان بنو نضیر و قریظہ میں عزت و شرافت کی عجیب و غریب حد قائم تھی، کوئی قریظی اگر کسی نضیر کو قتل کرتا تو قصاص میں وہ مارا جاتا لیکن اگر کوئی قریظی نضیری کے ہاتھ سے مارا جاتا تو اس کے خون کی قیمت سو بار شتر چھوہارا تھی۔ چنانچہ جب زمانہ رسالت ﷺ میں یہ واقعہ پیش آیا تو قریظہ نے آنحضرت ﷺ کے سامنے مقدمہ پیش کیا۔ آپ ﷺ نے عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے توراۃ کے مطابق 'النفس بالنفس' کے حکم سے دونوں قبیلوں میں برابر کا قصاص جاری کر دیا۔(26)

اس واقعہ سے نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے واقعہ داود علیہ السلام کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی دی گئی ہدایت پر عمل کیا اور کسی طاقت ور کے خوف سے خائف نہیں ہوئے بلکہ راہ انصاف کی یادگار مثال چھوڑی۔

مزید یہ کہ ان ہدایات کے پیش نظر رکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے انصاف کی بلندی کی خاطر اپنے پرائے کا کوئی لحاظ نہیں کیا، چنانچہ سورہ نساء کی آیت: فَلاَ وَ رَبِّكَ لاَ يُؤمِنُونَ حَتّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُم۔(27) کے ضمن میں مفسرین قرآن نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ "ایک دفعہ دو افراد (مسلمان اور یہودی) کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو گیا، وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، آپ ﷺ نے معاملہ سن کر یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اس بات کو مسلمان نے برا منایا، پھر وہ دونوں حضرت ابو بکر کی طرف چلے گئے، انہوں نے کہا: جو رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کو نہیں مانتا، میں اس کے درمیان فیصلہ نہیں کر سکتا۔ پھر وہ حضرت عمر کے پاس گئے، اور ان سے سارا واقعہ بیان کیا۔ جناب عمر نے کہا: میرے واپس آنے تک تم یہیں ٹھہرنا، حضرت عمر گھر سے تلوار سونت کر آئے اور مسلمان

منافق کو قتل کر دیا اور کہا جو رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا، اس کے لیے میں اس طرح فیصلہ کرتا ہوں، پھر اللہ نے یہ آیت نازل کر دی۔ فَلاَو َ رَبِّکَ لاَ یُومِنُونَ حَتّیٰ یُحَکِّمُوکَ فِیمَا شَجَرَ بَینَہُم۔"(28)

قرآنی قصص سے رہنمائی لیتے ہوئے جناب نبی کریم ﷺ کا اہل یہود کے مابین اور اسی طرح مسلمان اور یہودی کے مابین انصاف پر فیصلہ کرنا نہایت اہم ہے۔ عصر حاضر میں امن وسکون کے قیام میں عدل وانصاف کی بالادستی اہم کڑی ہے۔ لہذا سیرت طیبہ سے استفادہ کرتے ہوئے عدل وانصاف کو مستحکم کیا جائے۔

اسی طرح آج کے گلوبلائزیشن دور میں سابقہ انبیائے کرام کے قرآنی قصص کے ساتھ جناب نبی کریم ﷺ کا مدینہ کے یہودی قبائل کے درمیان فیصلہ میں توراۃ کے حکم پر فیصلہ کرنا، انصاف کے قیام کی حکمت عملی کی طرف اشارہ ہے۔ انسان نفسیاتی طور پر اپنے مذہبی لٹریچر پر اعتقاد رکھتا ہے، اس لیے آپ ﷺ نے نفسیاتی عوامل کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآنی تشریحات کی بجائے توراۃ کو دلیل اور بنیاد بنایا کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا مقصد انصاف کو قائم کرنا تھا اور پھر اجتماعیت کی صورت میں انصاف کا قیام زیادہ طاقت ور اور مضبوط تھا۔ اس لیے آپ ﷺ حکمت عملی کے پیش نظر توراۃ کو حجت میں بیان کیا۔

چنانچہ آج بھی بہت سے امور کے استحکام میں مختلف آسمانی مذہبی لٹریچر ایک ہی بنیاد فراہم کرتا ہے لہذا اگر ان امور کے قیام میں اجتماعیت کا احساس دلایا جائے تو یقیناً انصاف کی بالادستی قائم ہو سکتی ہے۔

6۔ خدا کی اطاعت اور بندگی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی اطاعت اور بندگی کے لیے پیدا کیا ہے اور اسی بندگی ہی کو بنیاد پر جناب آدم علیہ السلام کی تخلیق پر فرشتوں نے سوال کیا تھا تاہم اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم کی طاقت سے انسان کو زندگی بخشی اور انسان کی پیدائش کے بعد اسے حکم دیا کہ وہ اپنے پروردگار کی اطاعت اور فرمانبرداری کو بجالائے۔ حالاتِ زمانہ کے بدلنے سے انسان میں نفسانی خواہشات نے قبضہ جمالیا اور یوں اپنے پروردگار کے احکامات کی تعمیل میں کمزور پڑ گیا مگر اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کچھ ایسے خواص بھی تھے جنھوں نے اپنے رب کی بندگی وطاعت کی نشانیاں چھوڑیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادات کا تذکرہ اپنی آسمانی

کتابوں میں بیان کیا اور انہیں شخصیات کو نبوت ورسالت کے منصب پر فائز کیا۔ ان میں سے بعض کے تذکرے جناب نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر نازل ہونے والی کتاب " قرآن مجید" میں بھی بیان ہوئے۔ درحقیقت ان انبیائے کرام علیہم السلام کے تذکروں سے رسول اکرم ﷺ کو ہدایت کی گئی کہ ہمارے خاص بندے عبادت وریاضت میں کس قدر منہمک ہوتے ہیں اور اپنے رب سے کتنا مضبوط تعلق قائم کیے ہوئے ہوتے ہیں اور آپ ﷺ کو بھی ان کی سیرت وعمل پر چل کر اپنے رب کے ساتھ تعلق مضبوط بنانا چاہیے اور آپ ﷺ کی امت کو آپ ﷺ کی سیرت کو مشعل راہ سمجھنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کے سامنے جناب داود علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا تو ان کی بندگی کے مختلف صورتیں بیان کیں، پہلے فرمایا کہ: اِصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُودَ ذَا الْأَيْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ (29) " آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے طاقت والے بندے داود کو یاد کیجئے۔ وہ بڑے رجوع کرنے والے تھے"۔ پھر آگے جا کر ان کی خانہ خدا میں مصروفِ عبادت کی موجودگی بیان کردی: وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ (30) "بھلا آپ کو اہل مقدمہ کی خبر پہنچی ہے جب وہ دیوار پھلانگ کر داود کے پاس مسجد میں آگئے تھے"۔ مزید بیان کیا کہ وہ تو ہر وقت اپنے آپ کو خدا کی آزمائش میں مبتلا سمجھتے تھے اور گڑگڑاتے رہتے تھے، فرمایا: وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعاً وَأَنَابَ، فَغَفَرْنَا لَهُ ذَلِكَ وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَى وَحُسْنَ مَآبٍ (31) "جناب داود نے گمان کیا کہ بے شک اس کے رب نے اسے آزمائش میں ڈالا ہے، پھر اس نے رب سے توبہ کی اور رکوع کرتے ہوئے گر پڑے اور جھک گئے، پس ہم نے انہیں معاف کر دیا اور بے شک وہ ہمارے قریب ہے اور بہت اچھا ٹھکانہ ہے"۔ ان تمام خوبیوں کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ (32) "وہ تو بہترین بندہ ہے، بے شک وہ خوب رجوع کرنے والا ہے"۔

اسی طرح جناب زکریا علیہ السلام کے بارے میں نقل کیا کہ " فَنَادَتْهُ الْمَلآئِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ۔(33) "پس فرشتوں نے انہیں آواز دی تو وہ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے"۔ اور پھر سورہ انبیاء میں یوں فرمایا کہ: إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَباً وَرَهَباً۔ (34) " بے شک وہ پورا خاندان نیکی میں سبقت لینے والا تھا، وہ ہم کو شوق اور خوف کے ساتھ پکارتے رہتے تھے" ۔

جناب داود علیہ السلام کا عبادت کا تذکرہ خود جناب نبی کریم ﷺ بھی کیا کرتے تھے اور اپنے اصحاب کو شوق دلاتے تھے۔ جناب عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا:

احب الصیام الی اللہ صیام داود ، کان یصوم یوماً و یفطر یوماً واحب الصلوۃ الی اللہ صلوۃ داود ، کان ینام نصف اللیل و یقوم ثلثہ وینام سدسہ۔ (35)

"سب سے پسندیدہ روزہ اللہ تعالیٰ کو جناب داود کا تھا، وہ ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھا کرتے تھے۔ اور سب سے پسندیدہ نماز اللہ تعالیٰ کو جناب داود کی نماز تھی۔ وہ آدھی رات تک سوتے، پھر تہائی رات میں قیام کرتے اور پھر رات کے چھٹے حصہ میں سو جاتے تھے"۔

اگرچہ نبوت ورسالت کے منصب پر فائز ہونے سے قبل آپ ﷺ بھی مصروفِ عبادت رہتے تھے اور غارِ حرا میں تشریف لے جاتے تھے۔ (36) تاہم جب اللہ تعالیٰ نے نبوت ورسالت کی ذمہ داری عطا کی تو پھر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبیوں کی اپنے رب کی بندگی کی کیفیات کو بیان کر کے اپنے پیارے نبی ﷺ کے لیے ہدایت چھوڑ دی۔ نتیجتاً آپ ﷺ اپنے رب کی طاعت وبندگی میں اس قدر منہمک ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے پیارے رسول ﷺ کی عبادت پر رشک ہونے لگا اور اس میں کمی کا حکم فرمایا:

قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيْلاً، نِصْفَهُ أَوِ انقُصْ مِنْهُ قَلِيْلاً، أَوْ زِدْ عَلَيْهِ۔ (37)

"رات میں نماز کے لیے کھڑا رہا کرو مگر ہاں تھوڑی رات یعنی آدھی رات یا اس سے کم کیجئے، یا اس سے کچھ بڑھا دیجئے"۔

اللہ تعالیٰ کی بندگی میں منہمک اور مشغول ہونا حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی سنن میں سے ہے اور یہ سنن ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کی ہے۔ گویا کہ جناب نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو اپنی عملی مثال کے ذریعہ ہدایت جاری کی ہے کہ بندہ کو اپنے رب کے ساتھ تعلقات جوڑے رہنے چاہییں اور اس کے فرائض وحقوق میں کمی وکوتاہی نہیں برتنی چاہیے۔ انسان چونکہ مادیت پسند اور اپنی خواہشات کا غلام ہے بالخصوص آج کے دور میں جو زمانہ نبوت ورسالت کی برکات سے بہت دور ہے، اس کے لیے رب کی اطاعت اور بندگی میں منہمک رکھنے اور اپنے رب کے دیئے گئے فرائض وحقوق کو ادا کرنے کو بہت مشکل خیال کرتا ہے۔ تاہم اسے یہی ہدایت ہے کہ اپنے رب کے احکامات کی تعمیل کرے اور عبادت وریاضت میں لگائے رکھے۔

7۔ دعوت وتبلیغ میں اسلوب اور رویے

قرآن مجید کی نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی رہنمائی اور بھلائی کے لیے انسانوں میں سے کچھ افراد کا انتخاب کیا اور انہیں نبوت اور رسالت کے منصب کی ذمہ داری سونپی۔ اس سلسلہ کا آغاز جناب آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر جناب محمد ﷺ پر ختم ہو جاتا ہے۔ نبوت ورسالت کے منصب پر فائز ہونے والوں کی حتمی تعداد کیا تھی، اس پر مذہبی لٹریچر خاموش ہے۔ تاہم قرآن وسنت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ

ایک بڑی تعداد میں اللہ تعالیٰ نے ایسے مخصوص اور مقدس ہستیوں کا انتخاب اور چناو کیا۔ ہر نبی اور رسول نے اللہ کی دی گئی ہدایات کے مطابق لوگوں میں پرچار اور تبلیغ کی۔ تاہم ان انبیاء ورسل کو دعوت و تبلیغ کے دوران اپنی اقوام وملل کی طرف سے مختلف اور بہت سے حالات وکیفیات کا سامنا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور نبیوں کی مدد ونصرت کے لیے کچھ ہدایات جاری کیں اور انہوں نے اس کی بھرپور فرمانبرداری کی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سب ہدایات حقیقتاً انسانی فلاح اور راہِ ہدایت پر لانے کی کوششیں تھیں اور وہ ہدایات مثلاً

1۔ لوگوں کو پیغام الٰہی پہنچاتے ہوئے انہیں خبردار کرنا کہ ہم (انبیاء ورسل) کا مقصد تم سے کوئی دنیوی نفع کا حصول نہیں ہے بلکہ ہم تو صرف اپنے رب کے حکم کی تعمیل میں سرگرداں ہیں اور تمہاری ہدایت کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ چنانچہ قرآنی قصص سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ قومِ عاد کو جناب ہود علیہ السلام نے دوران دعوت وتبلیغ فرمایا:

يَا قَوْمِ لا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْراً إِنْ أَجْرِيَ إِلاَّ عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي أَفَلاَ تَعْقِلُونَ۔ (38)

" اے میری قوم! میں تم سے اس تبلیغ کا عوض نہیں مانگتا، میرا اجر تو بس مجھے اس ذات نے دینا ہے جس نے مجھے پیدا کیا، کیا بھلا عقل نہیں رکھتے "۔

خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے ہوئے قومِ ثمود کو جناب صالح علیہ السلام نے کھلا پیغام دیا:

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ (39)

" اور میں تم سے اس کا عوض کا سوال نہیں کرتا، میری تبلیغ کا عوض صرف کائنات کے پروردگار نے دینا ہے "۔

جناب لوط علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اور جناب شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم 'اصحاب الایکۃ' کو انہی الفاظ میں پیغام دیا جن الفاظ سے جناب صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو پیغام دیا۔ (40)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان انبیائے کرام کے قصص میں ان الفاظ کو بیان کرکے جناب نبی کرم ﷺ کو ہدایت جاری کردی کہ ہمارے سابقہ انبیاء ورسل بغیر کسی دنیوی نفع اور لالچ کے لوگوں کی رہنمائی کے لیے کام کرتے تھے۔ یہ پیغام آپ ﷺ اپنی امت کو بھی پہنچادیں کہ میں خود بھی کسی قسم کا تم لوگوں سے کوئی دنیوی غرض ولالچ نہیں رکھتا بلکہ میرا کام تو صرف تمہیں راہِ ہدایت دکھانا ہے۔ سابقہ انبیاء ورسل کی بلامعاوضہ تبلیغ کرنا اور جناب نبی کریم ﷺ کی اس بارے میں ان کی پیروی کرنا سے رہنمائی حاصل ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات وپیغامات کو پہنچانے والے تب ہی کامیاب اور

لوگوں کی توجہ کا مرکز بن سکتے ہیں جب ان میں کوئی دنیوی لالچ اور غرض پنہاں نہ ہو۔ عصرِ حاضر میں مبلغین تو بہت ہیں مگر اس خوبی سے عاری ہیں جس کی وجہ سے معاشرہ میں تبدیلی پیدا نہیں ہوتی۔

2۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو تبلیغ و دعوت کے دوران یہ بھی ہدایت کی تھی کہ دعوت و تبلیغ کے مرحلہ میں لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کرنا اور اسی طرح اپنی اقوام کے رویوں سے مایوس نہیں ہونا اور نہ ہی ان کے لیے عجلت میں عذاب الٰہی کا مطالبہ کرنا بلکہ اپنے مشن اور عمل کو جاری رکھنا۔ ان ہدایات میں اللہ تعالیٰ نے جناب یونس علیہ السلام کا قرآن مجید میں موجود قصہ میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ جب انہوں نے اپنی قوم کو تبلیغ کی اور اس پر ان کی بستی والوں نے انہیں صحیح طور پر جواب نہ دیا تو جناب یونس ان سے مایوس ہوئے اور عذاب الٰہی کے آنے پر خوف میں مبتلا کر دیا۔ قوم کو خوف ہوا اور اس پر انہوں نے توبہ واستغفار کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو ٹال دیا۔(41) اور جب کہ جناب یونس علیہ السلام اپنی قوم سے مایوس ہو کر اپنی بستی والوں کو چھوڑ کر دریا کی طرف روانہ ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے جناب یونس علیہ السلام کی مختلف کیفیات کو قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے مثلاً

وَذَا النُّونِ إِذ ذَّهَبَ مُغَاضِباً فَظَنَّ أَن لَّن نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَى فِيْ الظُّلُمَاتِ۔(42)

" اور مچھلی والا، جب قوم سے غصہ کھا کر چل نکلا، پس گمان کیا کہ ہم اس پر قدرت نہیں رکھتے، پھر اندھیروں میں پکارنے لگا"۔

جناب یونس علیہ السلام کی دوسری کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کیا:

وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ، إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ،فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنْ الْمُدْحَضِيْنَ،فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ۔ (43)

" اور بے شک یونس ہمارے رسولوں میں سے تھے۔ جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگ نکلے، پھر وہ بھی شریکِ قرعہ ہوئے تو وہ مجرم قرار پائے۔ انہیں مچھلی نے نگل لیا درآنحالیکہ وہ ملامت کر رہے تھے۔

اس قرآنی قصہ کے بیان میں جناب نبی کریم ﷺ کے لیے رہنمائی تھی کہ تبلیغی حالات میں اپنے مخاطبین کو نہ تو مجبور کرنا اور اسی طرح ان سے مایوس بھی نہیں ہونا اور اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں واضح الفاظ میں تاکید کی: لاتَكُن كَصَاحِبِ الحُوتِ۔(44) " مچھلی والے کی طرح نہ ہوئیے"۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس رہنمائی کو اختیار کیا، اگرچہ آپ ﷺ کو دعوت کے عملی میدان میں بہت سی

مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا، تاہم مایوسی کی کیفیت پیدا نہیں ہونے دی۔ سیرت طیبہ میں اس صداقت کی بہترین مثال آپ ﷺ کا سن 10 نبوی میں مکہ سے طائف کی طرف تبلیغ کے لیے سفر کرنا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں دعوت اسلام دی تو اہل طائف نے نہ صرف قبولِ دعوت سے انکار کیا بلکہ تمسخر اڑایا اور آپ کے پیچھے شہر کے اوباش لگا دیے۔ ان لوگوں نے آپ کے جسم مبارک کو زخمی کر دیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کی جوتیاں بھی خون سے بھر گئیں اور آپ ﷺ نے اس حالت میں ایک پہاڑی کی جانب باغ میں پناہ لی۔ باجود یکہ اہل طائف نے ظلم و ستم کیا اور سخت تکالیف دیں اور آپ ﷺ کا مذاق اڑایا، پھر آپ ﷺ مایوس نہیں ہوئے اور ان کے حق میں دعا کی۔(45)

آج کے دور میں عموماً دعوت و تبلیغ سے منسلک افراد کے لیے یہ عمدہ نمونہ ہے۔ اس لیے کہ مادیت کے دور میں لوگ مذہب اور اہل مذہب سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ داعیان مذہب کو ان سے مایوس نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی ان کو اپنی تعلیمات پر قائل کرنے میں مجبور کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ جب جبری تعلیمات کا رجحان پڑ جاتا ہے تو پھر لوگ بظاہر مذہب اپنا لیتے ہیں جب کہ حقیقت میں اس کے نور سے خالی ہوتے ہیں اور نتیجتاً بعض مرتبہ تعلیمات سے نہ صرف انحراف کر جاتے ہیں بلکہ انکار کر دیتے ہیں، جس سے معاشرہ میں ہیجانی کیفیات اور فسادات بھی رونما ہو جاتے ہیں۔ اس لیے مبلغین کو صرف اپنی تعلیمات کی پرچار کرنی چاہیے نہ کہ ان کو جبری طور پر آمادہ کرنا چاہیے۔

3۔ دعوت و تبلیغ سے متعلق قرآنی قصص میں یہ بھی رہنمائی کی گئی ہے کہ مبلغ کو چاہیے کہ اپنی تبلیغ کے درمیان گفت گو کا لہجہ نرم اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ نے جناب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے قصہ میں اس ہدایت کو بیان کیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو فرمایا:

اِذْهَبَا إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى، فَقُولَا لَهُ قَوْلاً لَّيِّناً لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى ۔(46)

"تم دونوں (یعنی موسیٰ اور ہارون) فرعون کی طرف جاو، بے شک اس نے سرکشی کی ہے، پس اس سے نرم گفت گو کرنا، شاید کہ وہ نصیحت پالے یا ڈر جائے"۔

یقیناً دعوت و تبلیغ کے موثر ہونے کا بہترین ذریعہ نرم لہجہ میں گفت گو کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے گویا کہ ایک ہدایت تھی کہ جب فرعون جیسے سرکش کو بھی نرم لہجہ سے گفت گو کرنے کا کہا گیا ہے تو پھر اس سے کم سرکشوں کے لیے بطریقہ اولیٰ نرم گوئی اپنانا ہو گی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت

طیبہ میں کہیں بھی ایسا موجود نہیں کہ آپ ﷺ نے لوگوں کو تبلیغ کرتے ہوئے سخت اور ترش لہجہ میں بات کی ہو۔

آج کے دور میں ہمیں اس بات سے سبق حاصل کرنا چاہیے کہ جب صاحبِ شریعت (موسیٰ علیہ السلام) کو سب سے بڑے سرکش کے لیے نرم لہجہ کا حکم دیا گیا ہے اور پھر انہی اقتداء کا حکم جناب نبی آخر الزمان ﷺ کو بھی رہا ہے، لہذا ان کے ماننے والوں کے لیے بھی وہی ہدایت ہے۔

4۔ دعوت و تبلیغ کے مرحلہ میں مبلغ کو طاقت ور افراد کی طرف سے تکالیف سے دوچار ہونا لازمی امر ہوتا ہے۔ بعض مرتبہ صرف تکالیف نہیں دی جاتیں بلکہ جان بھی قربان کرنی پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں قوم بنی اسرائیل کا تذکرہ کیا تو وہاں ان کے جرائم میں سے ایک جرم ' انبیائے کرام کے قتل' کو بھی بیان کیا گیا ہے۔(47) اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جناب نوح اور جناب لوط علیہما السلام کے قصص کو صراحت سے بیان کیا ہے کہ دونوں پیغمبروں کو اپنی قوموں کی رہنمائی کے لیے بھرپور کوشش کی لیکن ان کی قوموں نے حوصلہ افزائی کی بجائے سخت قسم کی دھمکیاں دیں۔ چنانچہ جناب نوح علیہ السلام وہ ایسے پیغمبر تھے جنہوں نے ساڑھے نو سو سال کا عرصہ ان میں رہنمائی کے لیے گزار چکے تھے، ان کے بارے میں انہوں نے کہا:

إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ،قَالُوا لَئِن لَّمْ تَنتَهِ يَا نُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ-(48)

"میں تو صرف تمہیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں، کہنے لگے کہ اگر تم باز نہ آئے تو ضرور سنگسار کیے جاوگے"۔

اور اسی طرح جناب لوط علیہ السلام کے بارے میں ان کی قوم نے کہا:

قَالُوا لَئِن لَّمْ تَنتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ،قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُم مِّنَ الْقَالِينَ-(49)

"ان لوگوں نے کہا اے لوط! اگر تم باز نہ آئے تو تم ضرور یہاں سے نکال دیے جاو گے۔ لوط نے جواب میں کہا کہ بے شک میں تمہارے اس عمل سے نفرت رکھتا ہوں"۔

ان انبیائے کرام کے قرآنی قصص سے جناب نبی کریم ﷺ کو بتایا گیا کہ دعوت و تبلیغ کا عمل نہایت مشکل ہے اور اس عمل کو نبھاتے ہوئے صرف تکالیف سے گزرنا نہیں پڑتا بلکہ جان بھی قربان کرنی پڑتی ہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے ان خدائی ہدایات کو پیش نظر رکھا اور راہِ حق میں پیش آنے والی تمام

تر تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ دعوتِ دین کے سبب اہل مکہ آپ ﷺ کے اس قدر مخالف ہوگئے کہ آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو نہایت سخت قسم کی تکالیف دیناشروع کر دی۔ ایک دفعہ آپ ﷺ حرم میں نماز ادا کر رہے تھے اور روسائے قریش بھی موجود تھے۔ ابو جہل نے کہا: کاش، اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اٹھالاتا، کہ جب محمد ﷺ سجدہ میں جاتے تو ان کی گردن پر ڈال دیتا۔ عقبہ نے کہا یہ کام میں انجام دیتا ہوں۔ چنانچہ اس نے اوجھ لا کر آپ کی گردن پر ڈال دی۔ قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑے تھے۔ کسی نے جا کر سیدہ فاطمہ کو خبر کی۔ وہ آئیں اور اوجھ ہٹا کر عقبہ کو برا بھلا کہا اور بد دعائیں دی۔(50)

دعوت دین کے مرحلہ میں تکالیف کا آنا اور اس کی برداشت تمام انبیائے کرام علیہم السلام اور جناب نبی کریم ﷺ کی رہنمائی ہے۔ جس طرح ماضی میں تکالیف سے دوچار ہونا ضروری تھا اسی طرح آج بھی دعوت دین کے مشغلہ میں ہمہ تن مصروف مبلغین کے لیے رہنمائی ہے۔

خلاصہ بحث: اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی ﷺ کو سابقہ انبیاء ورسل کے قصص کو بیان کرکے ہدایات کا سامان مہیا کیا کہ جب ان شخصیات کو اس منصب سے سرفراز کیا گیا تو انہیں کن کن کیفیات سے دوچار ہونا پڑا اور اس دوران انہیں کس نوعیت کی ہدایات حاصل ہوئیں اور انہوں نے ان کو کس قدر پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بھی ان ہدایات کی پیروی کرتے ہوئے لوگوں کی حالت بدلنے کے لیے ان میں علم وآگہی، سماجی، قانونی اور معاشی مساوات، نظامِ عدل کی فراہمی، زمانہ اقتدار میں اپنوں اور مخالفین سے اچھا رویہ، اپنے رب کی اطاعت وبندگی میں انہماک اور دعوت وتبلیغ کے کام میں بلند عزمی جیسے رہنما اصول فراہم کرکے اعلی سطح کے معاشرہ کی تشکیل وتعمیر کی اعلیٰ مثال قائم کر دی۔ درحقیقت جہاں یہ اہلِ اسلام کے لیے پیروی کا درس ہے وہاں دیگر اقوام کے لیے بھی رہنمائی کا بہترین ذریعہ ہے۔

حوالہ جات وحواشی

1-- لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب33: 21)" تحقیق تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے"۔ اور اسی طرح" وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلاَّ لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ(النساء4: 64)" ہم نے کوئی ایسا رسول نہیں بھیجا سوائے اس کہ اس کی اللہ کے حکم سے اطاعت کی جائے"۔

2-یوسف12: 111

3۔ ھود،11: 120

4۔ البقرۃ2: 33

5۔ العلق96: 1-5

6۔ جناب ابن عباس سے روایت ہے: کان ناس من الاسری یوم بدر لم یکن لہم فداء، فجعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداء ھم ان یعلموا اولاد الانصار الکتابۃ(ابن حنبل، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل(م 241ھ)، مسند احمد، مسند عبداللہ بن عباس، رقم/ 2217۔(داراحیاء التراث العربی، بیروت، 1994ء)

7۔ ابن سعد، محمد بن سعد بن منیع الزہری(م 230ھ)، الطبقات الکبری، 2/14،(داراحیاء التراث العربی، بیروت، سن ندارد)

8۔ فرمان خداوندی ہے: یَا أَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً کَثِیْراً وَنِسَاءً (النساء4: 1) " اے لوگو! ہم نے اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے جوڑے بنائے اور اسے بہ کثرت مرد وعورتیں پھیلادیں۔

9۔ الاحزاب33: 37

10۔ ابن حنبل، مسند احمد، رقم/ 22391

11۔ عبدالرحمن بن زید کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے انصار سے فرمایا: ان اخوانکم قد ترکوا الاموال والاولاد وخرجوا الیکم، فقالوا : اموالنا بیننا قطائع، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: او غیر ذلک؟ قالوا : وما ذاک یا رسول اللہ ! قال : ھم قوم لایعرفون العمل فتکفونہم وتقاسمونہم الثمر۔ قالوا : نعم(ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی (م774ھ)، "البدایۃ والنہایۃ"، فصل مواخاۃ النبی بین المہاجرین والانصار، 2/ 240،(دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، 2001م)

12۔ بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل(م 256ھ)، الجامع الصحیح، کتاب الحدود، باب اقامۃ الحدود علی الشریف والوضیع، رقم/ 6787۔(مکتبہ دارالسلام، الریاض، 1997ء)

13۔ یوسف،12: 9-10

14۔ ایضاً،12: 92

15۔ ابن القیم الجوزیۃ، شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر الزرعی(م 751ھ)، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، فصل فی الفتح الاعظم، ص،524۔(دار ابن حزم، بیروت، 1999ء)

16۔ قتل کا بدلہ لینے کے وقت اللہ تعالیٰ نے ورثائے مقتولین کو فرمایا ہے: فَمَنْ عُفِیَ لَهُ مِنْ أَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَیْهِ بِإِحْسَانٍ(البقرۃ2: 178) " جس کو اس کے فریق مقابل کی طرف سے معافی مل جائے،

سو مطالبہ نرم طریق پر کرنا چاہیے اور مطالبہ اس فریق کی طرف سے خوبی سے پہنچا دینا چاہیے"۔ اور اسی طرح سورہ نور میں فرمایا: وَلَا يَأْتَلِ أُوْلُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُوْلِي الْقُرْبَى وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْمُهَاجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ(النور24: 22) " جو لوگ تم میں سے فضل اور وسعت والے ہوں وہ رشتہ داروں، مسکینوں اور مہاجرین فی سبیل اللہ کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں، چاہیے وہ معاف کرتے رہیں اور درگزر کرتے رہیں۔ کیا بھلا وہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری بخشش کر دے"۔

17۔ جناب شعیب اور موسیٰ علیہما السلام کے درمیان ہونے والی گفت گو کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جناب شعیب نے جناب موسیٰ کو آٹھ سال کی اجرت پر کام کرنے کا کہا۔ (القصص، 28: 27) اور اس بارے میں جناب ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مابعث الله نبياً الا رعى الغنم فقال اصحابه، وانت ؟ فقال: نعم كنت ارعاہا علی قراریط لاهل مكة (بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاجارۃ، باب رعی الغنم علی قراریط، رقم/ 2262)" اللہ کے ہر نبی نے بکریاں چرائیں۔ صحابہ نے پوچھا اور آپ؟ فرمایا: میں نے اہل مکہ کے لیے چند قراریط کے عوض بکریاں چرائیں ہیں"۔

18۔ الانبیاء،21: 80

19۔ سبا34: 11۔13

20۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ، رقم/ 2072

21۔ ایضاً۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکاۃ، باب من سال الناس تکثراً، رقم/ 1474)۔ اور اسی طرح جناب ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لان يحتطب احدكم حزمة على ظهره خير من ان يسئل احدا فيعطيه او يمنعه باب كسب الرجل وعمله بيده،(بخاری، الجامع الصحیح، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ، رقم/ 2074)

22۔ جناب عائشہ سے روایت ہے کہ: ما شبع آل محمد ﷺ منذ قدم المدينة من طعام برثلاث ليال تباعاًحتى قبض۔ (بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الرقاق، رقم/ 1375) "جب سے آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے، محمد ﷺ کے اہل خانہ نے سیر ہو کر تین رات متواتر گیہوں کی روٹی نہیں کھائی، یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوئی گئی"۔ اور سیدہ عائشہ یہاں تک بیان کرتی ہیں کہ: كان ياتى علينا الشهر ما نوقد فيه ناراً، انما هو التمر والماء الا ان نوتى باللحيم۔ (ایضاً، بخاری، الجامع الصحیح، رقم/ 1379)"ہم لوگوں کو آگ جلائے ایک ایک مہینہ گزر جاتا تھا، صرف کھجوریں اور پانی استعمال کرتے تھے مگر یہ کہ تھوڑا سا گوشت ہمارے پاس آجاتا تھا تو اس کو پکا لیتے"۔

23۔ ص،38:26

24- الانبیاء21: 78۔79

25۔ یوسف،12: 26۔28

26۔ ابوداود، سلیمان بن اشعث السجستانی،(م 275ھ)، سنن، کتاب الدیات، باب النفس بالنفس، رقم/ 4494۔(دارالسلام، الریاض،1999ء)

27۔ نساء،4: 65

28۔ ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل بن عمر الدمشقی،(م 774ھ)، تفسیر القرآن العظیم، 2/ 351۔(دار طیبہ، الریاض،1997ء)

29- ص38: 17

30- ایضاً،38: 20

31- ایضاً38: 25

32۔ ایضاً،38: 30

33۔ آل عمران3: 38

34۔ الانبیاء21: 90

35۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب احادیث الانبیاء، باب احب الصلوۃ الی اللہ صلاۃ داود، رقم/ 3420

36۔ ایضاً، الجامع الصحیح، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ، رقم/ 03

37۔ المزمل73: 2-3

38- ھود11: 51

39- الشعراء26: 145

40۔ ایضاً،26: 162/ 180

41۔ جناب یونس علیہ السلام کی قوم سے متعلق اللہ تعالی فرماتا ہے: فَلَوْلاَ كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلاَّ قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُواْ كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الخِزْيِ فِي الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَى حِينٍ، وَلَوْ شَاء رَبُّكَ لآمَنَ مَن فِي الأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعاً أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُواْ مُؤْمِنِيْنَ ۔(یونس10: 98۔99)

42۔ الانبیاء21: 87

43۔ الصافات،37: 141۔142

44- القلم،68: 48

45۔السہیلی، ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ بن احمد (م 581ھ)، الروض الانف فی تفسیر السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، فصل الرسول یسعی الی الطائف، 2/ 231۔ (دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ)

46- طٰہ20: 43۔44

47۔اللہ تعالیٰ قوم بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کا یوں ذکر فرماتا ہے: وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ (البقرہ،2: 61)

48- الشعراء26: 115۔116

49- الشعراء26: 167۔168

50۔بخاری، الجامع الصحیح، کتاب مناقب الانصار، باب ما لقی النبی ﷺ واصحابہ من المشرکین بمکۃ، رقم/ 3854